مولانا مجاہد الحسینی مدظلہ

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری اور عبد الغفار خاں کا موازنہ

نواز مسلم لیگ کی جفاکاروں سے یہ وفاداری۔؟

حضرت مولانا مجاہد الحسینی مجلس احرار اسلام قدیم رفقاء میں سے ہیں۔ انہیں حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کی صحبتیں میسر آئی ہیں۔ جانشین امیر شریعت حضرت سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری کے ہم مکتب اور ہم فکر و ہم عصر ہیں۔ احرار کے ترجمان روزنامہ نوائے پاکستان کے ایڈیٹر بھی رہے اور حضرت ابوذر بخاری کے ادبی مجلہ "مستقبل" کی مجلس ادارت میں شامل رہے۔ ان دنوں فیصل آباد سے جریدہ ماہنامہ "صوت الاسلام" کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔

ذیل میں ان کی ایک تازہ ترین تحریر ہدیہ قارئین کی جا رہی جو انہوں نے پہلی مرتبہ کمال مہربانی سے ادارہ نقیب ختم نبوت کو ارسال فرمائی ہے تحریر کے بعض پہلو ہمارے لیے محل نظر ہیں۔ تاہم حسب ضرورت حاشیہ اور بریکٹ کے ذریعے ہم نے اپنی رائے بھی ظاہر کر دی ہے ہم حضرت مولانا کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس مضمون کی اشاعت کا اعزاز ہمیں بخشا۔ ہم آئندہ بھی ان کی نوازشات کے منتظر رہیں گے (مدیر)

برصغیر میں دو شخصیات بڑی نامور ہو گزری ہیں ان میں ایک امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسری سرحدی گاندھی عبد الغفار خاں تھے۔

ان دونوں حضرات نے انگریز کی غلامی سے نجات دلانے اور تحریک آزادی کے سلسلے میں لائق تحسین خدمات انجام دی ہیں اور دونوں نے فرنگی سامراج کے خلاف کئی کئی برس تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔

بایں ہمہ ۔۔۔۔۔ دونوں کا دائرہ کار مختلف تھا، اوّل الذکر کا مقصد اسلامی اداروں کی تقویت اور ملت اسلامیہ کے مفادات کا تحفظ تھا۔ جبکہ دوسرے کا مقصد اور نصب العین کانگریس کی تقویت اور اس کے مفادات کی نگہداشت تھا، کانگریس نے "سرحدی گاندھی" کا خطاب انہی خدمات کے صلے میں عطا کیا تھا۔

جہاں تک تحریک قیام پاکستان کا تعلق ہے اس سلسلے میں دونوں حضرات کے نظریات مختلف تھے عبد الغفار خاں تو سرے سے پاکستان کے وجود کے ہی سخت مخالف تھے۔ جبکہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری پاکستان کے وجود کے تو حامی تھے لیکن وہ تحریک قیام پاکستان کے علمبرداروں کو مخلص نہیں گردانتے تھے کہ جو لوگ اپنے چار پانچ فٹ قد اور تن من کے جسم پر اسلام کا کوئی اثر قائم کرنے پر آمادہ نہیں وہ ایک وسیع مملکت میں اسلام کسی طرح نافذ کرنے کو تیار ہونگے۔ اس لئے وہ حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی قیادت دینی و اسلامی طبقے کے سپرد کرنے کے داعی تھے، ثانیاً وہ تقسیم ہند کی ہیئت ترکیبی کے بھی حامی نہ تھے۔ وہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے نام پر دو الگ الگ خطوں اور علاقوں کا وجود نقصان دہ قرار دیتے تھے جن کے درمیان ہزار میل کا فاصلہ ہے وہ کہا کرتے تھے کہ یہ دور دراز علاقے ایک پاکستان کی حیثیت سے اکٹھے نہ ہو سکیں گے ان میں سے خدانخواستہ کسی ایک پر مصیبت آ پڑی تو دوسرے

علاقے کے لوگ اسکی مدد نہ کر سکیں گے۔ بھارت اس راہ میں رکاوٹ بھی ڈالتا رہے گا اور مداخلت بھی کرتا رہے گا۔ اس لئے علامہ اقبالؒ کے نظریے اور نقشے کے مطابق وہ ایک ہی علاقے پر مشتمل پاکستان قائم کرنے کے موید تھے اور پنجاب کو مشرقی اور مغربی دو حصوں میں تقسیم کرنے کی تجویز کے خلاف تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ متحدہ پنجاب کا مطالبہ وزنی ہے۔۔۔۔۔ خود مسلم لیگ بھی کشمیر کے ساتھ ساتھ پنجاب کے اضلاع جالندھر، ہوشیار پور، فیروز پور (خصوصاً ان کی تحصیلیں نکودر، دسوہہ مکیریاں، زیرہ وغیرہ) اور ریاست کپور تھلہ کا سارا علاقہ جو تقریباً ستر فی صد مسلم اکثریت کی آبادی پر مشتمل تھا پاکستان میں شامل کرنے کا مطالبہ کرتی تھی۔ اس صورت میں دہلی تک کے علاقے سمیت اسلامی دنیا کا ایک متحدہ بلاک معرض وجود میں آ سکتا ہے۔ علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر بھی یہی ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

بہر نوع۔ اللہ کو جو منظور تھا وہی ہوا۔ متحدہ پنجاب تقسیم ہو گیا اور مشرقی و مغربی پاکستان کی صورت میں دو الگ الگ یونٹوں پر مشتمل پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا۔

قیام پاکستان کے بعد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تغیر پذیر حالات کے پیش نظر ساتھیوں سے مشاورت کے بعد لاہور کے باغ بیرون دہلی دروازہ میں ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مجلس احرار اسلام کی سیاسی حیثیت ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ آپ نے کہا کہ مسلم لیگ جیت گئی ہے۔ ہم شرافت اور جذبہ حب الوطنی کے تحت شکست تسلیم کرتے ہیں۔ سیاسی میدان میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ اس وقت مسلم لیگ قوت حاکمہ ہے۔ اس کے رہنماؤں سے مجلس احرار کا وجود بطور حزب اختلاف تسلیم کرنے کو کہا گیا ہے مگر وہ یہ فرما رہے ہیں کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ ہم حزب اختلاف کا وجود ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔

اندریں حالات مجلس احرار سیاسی جماعت کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک تبلیغی اور رفاہی تنظیم کی حیثیت سے اپنا عمل جاری رکھے گی۔

جو کارکن اور رضاکار سیاسی کام کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں اور جو اپنی زندگی تبلیغ اسلام اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے وقف کر دینا چاہتے ہیں وہ میرے ہمرکاب و ہمقدم ہو جائیں۔ (۱)

---

(۱) ریکارڈ کی درستی کیلئے واضح رہے کہ حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ نے ۱۹۴۸ء میں مجلس احرار اسلام کی سیاسی حیثیت ختم کی تھی، مجلس احرار کو ختم نہیں کیا تھا۔ بلکہ مجلس کے ہی شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کو فعال اور منظم کیا۔ ۱۹۵۳ء کے بعد مجلس پر حکومت نے پابندی عائد کی تو شعبۂ تبلیغ کو "مجلس تحفظِ ختم نبوت" کا نام دیکر تنظیمی سرگرمیوں کو جاری رکھا گیا۔ (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر دیکھیں)

چنانچہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اس کے بعد کبھی کسی سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار نہیں کی۔ آپ دم آخر تک اسلام کے عقاید و نظریات کی تبلیغ اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی خاطر سرگرم عمل رہے۔

اے دوست! ادب کہ درحریم دل ماست
شاہنشہ انبیاء و رسول عربی

قیام پاکستان کے بعد اس کے مرحلہ اولین میں ہی جب بھارت نے پاکستان کی سلامتی کے خلاف فوج کشی کی تو وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے مکا لہرا کر بھارت کو للکارا تھا اس وقت پورے ملک میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہی واحد رہنما تھے جس نے لیاقت علی خاں کو اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلاتے ہوئے خیبر سے لے کر ساحل کراچی تک جگہ جگہ "دفاع پاکستان" کانفرنسیں منعقد کی تھیں اور ملت اسلامیہ میں جہاد کا جوش و ولولہ پیدا کر کے قوم کو متحد اور سیسہ پلائی دیوار کی مانند بنا دیا تھا۔

شاہ صاحب کے دل میں پاکستان کی محبت رچ بس گئی تھی وہ ملک کو مستحکم اور خوشحال دیکھنا چاہتے تھے اور اسکی سلامتی کے لئے ہمہ وقت دعا گو تھے۔

رہائشی الاٹمنٹ کی پیشکش

سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کسی حکومت سے کبھی کچھ نہ لیا تھا۔ وہ بڑے خود دار اور غیرتمند شخص تھے۔ کسی انسان کے سامنے ہاتھ پھیلانا انسانیت کی توہین قرار دیتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے دوست احباب کے حضور اپنی ذاتی ضرورت کا اظہار قطعاً برداشت نہ کرتے تھے۔

میاں افتخار الدین تحریک آزادی کے ممتاز رہنما اور شاہ صاحب کے حلقہ احباب و ارادت میں سے تھے وہ پاکستان کی مرکزی وزارت بحالیات پر فائز ہوئے تو ایک روز شاہ صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لائے، مخدوم سجاد حسین قریشی (سابق گورنر پنجاب) سید علمدار حسین گیلانی، میاں محمد شفیع ناظم بلدیہ ملتان اور دوسرے رہنما ہمراہ تھے۔ شاہ صاحب کچہری روڈ محلہ ٹبی شیر خاں ملتان میں واقع ایک کرائے کے مکان میں رہائش پذیر تھے۔ یہ

حاشیہ سابقہ صفحہ

ستمبر ۱۹۵۸ء میں ایوب خان نے پابندیاں ختم کیں تو حضرت امیر شریعت نے دوبارہ مجلس احرار کے احیاء کا اعلان کیا اور اس سے قبل مجلس کی ہائی کمان کے ایک اجلاس میں سیاسیات سے علیحدگی کے فیصلہ کو کالعدم قرار دیکر دوبارہ سیاسیات میں شرکت کا اعلان کیا جو روزنامہ آزاد میں صفحہ اول پر شائع ہوا۔ حضرت امیر شریعت نے ملتان میں جماعت کی بحالی پر احرار کے جلوس کی قیادت کی، پرچم کشائی کی اور احرار کارکنوں سے زندگی کا آخری خطاب فرمایا۔ حضرت امیر شریعت نے ۱۹۴۸ء میں ماسٹر تاج الدین انصاری کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ "مجلس کا قیام بہر حال ایک شرعی امر ہے" یہ تاثر دروغ گوئی پر مبنی ہے کہ امیر شریعت مجلس احرار کو ختم کر گئے تھے۔ وہ آخر وقت تک مجلس احرار اسلام سے وابستہ رہے البتہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ شعبۂ تبلیغ کو مجلس احرار سے الگ کر کے مدمجلس تحفظ ختم نبوتؐ کو اپنے تصرف میں لے آئے۔ تو حضرت امیر شریعت ایک دینی فریضہ کے طور پر اس کی سرپرستی بھی فرماتے رہے۔

(مدیر)

مکان تنگ گلی میں واقع تھا دروازے تک پہنچنے کا راستہ کچا تھا اور اینٹوں پر قدم رکھ کر پہنچا جاسکتا تھا۔ کسی لڑکے نے آ کر اطلاع دی کہ ایک کار جھنڈی والی آئی ہے وہ آپ (شاہ صاحب) کا نام لے رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے مجھے فرمایا دیکھو! کوئی وزیر آیا ہو گا۔

میں نے باہر گلی میں دیکھا تو میاں افتخار الدین مقامی عمائدین اور انتظامیہ کے ہمراہ آ رہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی علیک سلیک کے بعد متعجب ہو کر شاہ صاحب سے کہا شاہ جی۔۔۔ آپ یہ کہاں آ کر بیٹھ گئے؟

آپ ایک درخواست لکھ دیں میں ابھی آپ کے نام کوئی بڑی کوٹھی یا اچھا وسیع مکان الاٹ کر دیتا ہوں۔

شاہ صاحب نے میاں افتخار الدین کو جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

بابو افتخار۔۔۔۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو میں گنہگار اور خطاکار ہوں میرا رب ستار و غفار ہے۔

میں نے زندگی میں ایک گناہ ہرگز نہیں کیا ہے اس سے میرا دامن پاک ہے۔ اور وہ یہ کہ۔۔۔۔ میں نے کبھی کسی حکمراں کے حضور یہ نہیں لکھا۔

"فدوی کی درخواست یہ ہے"

اگر میں نے یہی گناہ کرنا ہوتا تو پھر "انگریز بہادر" کے حضور درخواست پیش کرتا میری بے شمار وسیع و عریض کوٹھیاں ہوتیں۔ کئی مربعے زمین کا مالک ہوتا نوکر چاکر میرے ارد گرد ہوتے، کئی دربان میری چوکھٹ پر دست بستہ ایستادہ رہتے۔ اور تمہارے سمیت کوئی بدوں اجازت میرے آنگن میں جھانکنے کی جسارت نہ کر سکتا تھا۔

شاہ صاحب کا جواب سن کر میاں افتخار الدین اور ان کے ساتھی سرنگوں رہ گئے۔ برصغیر کا یہ سحر بیاں خطیب اعظم سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔۔ اپنی خطابت کا جادو اگر اپنی ذات کے لئے جگاتا تو واقعی ان سے بڑا کوئی دولت مند اور صاحب جائیداد نہ ہوتا۔ مگر وہ قناعت پسند اور اپنی خاندانی روایات کے امین تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جس خانوادے کا خون میری رگ و پے میں گردش کر رہا ہے ان کے گھر سے بھی کئی کئی روز تک دھواں نہ اٹھتا اور چولہا سرد رہتا تھا۔

یہ تو ہمارا سرمایہ افتخار اور خاندانی ورثہ ہے۔ الفقر فخری۔

غرضیکہ نہ تو شاہ صاحب نے کسی بھی حکومت سے کچھ لیا نہ اس کے سامنے دست سوال دراز کیا تھا اور نہ ہی کسی نے آپ کی عظیم دینی و ملی خدمات کے صلے میں کوئی منصب عطا کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

شاہ صاحب نے اہل خانہ کو خصوصیت کے ساتھ وصیت کی تھی کہ میں نے اپنی زندگی انہی غریبوں اور مسکینوں میں گزاری ہے۔ میرے میاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہی دعا فرمایا کرتے تھے اے میرے اللہ! مجھے مسکین کی حیثیت سے زندہ رکھنا۔ مسکین کی ہی وفات دینا اور زمرہ مساکین کے ساتھ ہی میرا حشر کرنا۔

شاہ صاحب نے فرمایا مجھے بھی انہی غریبوں مسکینوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ ان میں کئی مقبول بارگاہ الہیٰ کئی حافظ قرآن، کئی محدث، مفسر اور صلحاء امت مدفون ہیں۔ اللہ کرے میرا حشر بھی انہی کے ساتھ ہو جائے۔

بہر نوع۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو اسی چھوٹے سے کرائے کے مکان میں وفات پا گئے تھے تدفین کا مرحلہ آیا تو کمشنر ملتان بی اے قریشی نے قلعہ قاسم باغ ملتان پر واقع شاہ رکن عالم اور

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے مزارات کے درمیان قبر کی جگہ دینے کی پیشکش کی شاہ صاحب کی رفیقہ حیات حضرت اماں جی مرحومہ نے جواباً فرمایا تھا

جس شخص نے اپنی ساری زندگی میں اپنے لئے ایک انچ زمین نہ لی تھی۔ اسکی قبر کے لئے چند فٹ زمین کے احسان کا بوجھ کیوں اٹھایا جائے؟ چنانچہ شاہ صاحب کی باغ لانگے خاں کے قریب جلال باقری کے قبرستان میں تدفین ہوئی جہاں پر برصغیر کا خطیب اعظم اور تحریک تحفظ ختم نبوت کا عظیم قائد آسودہ خاک ہے۔

اس جلیل القدر عالم دین، خطیب اعظم اور مخلص دینی و ملی رہنما مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا فرزند ارجمند مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری فالج کے حملے سے صاحب فراش ہے مولانا ابوذر بخاری، اپنے والد ماجد کی صفات کے آئینہ دار و عکس جمیل اور "سرلابیہ" کا مصداق ہیں۔ ان کے علم و فعل کا خود شاہ صاحب بھی اعتراف کیا کرتے تھے اور بڑے بڑے علماء آج بھی معترف ہیں۔ آپ حافظ و قاری بھی ہیں۔ مصنف، ادیب اور شاعر بھی، انکی تقریر میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی علمی خطابت کا شکوہ اور انکی تلاوت قرآنی میں ان کے والد گرامی امیر شریعت کی لحن سحر آفرین کی جھلک دکھائی دیتی ہے اس نے بھی نہ تو کبھی کسی حکومت کے سامنے دست سوال دراز کیا اور نہ ہی اسے اسکی علمی و دینی خدمات کے صلے میں کبھی سرکاری امداد سے نوازا گیا ہے وہ بھی اپنے عظیم باپ کے نقش قدم پر عمل پیرا ہیں۔ صابروشاکر، اور قناعت پسند۔ الفقر فخری کا مثالی پیکر!

اب اس کے مقابل ایک بڑی شخصیت اور اس کے فرزند کا حال اور رخ کردار بھی ملاحظہ فرمائیے۔

خاں عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی، کانگریس کی ہائی کمان میں ان کا شمار تھا۔ وہ قائد اعظم اور پاکستان کے شدید مخالف تھے۔ بایں ہمہ قائد اعظم نے انہیں پاکستان کی پہلی پارلیمنٹ کا ممبر مقرر کیا تھا۔ لیکن انہوں نے پاکستان اور قائد اعظم کی مخالفت کبھی ترک نہ کی تھی۔ آزادی کے بعد بھی بھارتی رہنماؤں کے ساتھ ان کے مراسم گہرے استوار تھے۔ حتیٰ کہ نہرو امن ایوارڈ سے بھی انہیں نوازا گیا تھا اور بھارتی حکمرانوں نے سرحد گاندھی کی خدمات کے صلے میں ایک لاکھ روپے کی تھیلی بھی پیش کی تھی۔ علاوہ ازیں کی گئی نوازشات اللہ جانے یا وہ خود۔

سرحدی گاندھی جناب عبدالغفار خاں نے بھی اپنے اہل خانہ کو وصیت کی تھی کہ پاکستان میں تو میری قبر بھی نہ ہونی چاہیئے بلکہ مجھے افغانستان میں لے جا کر دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ خان عبدالغفار خاں کو ان کی وفات کے بعد افغانستان کے شہر جلال آباد میں دفن کر دیا گیا تھا۔

اسی عبدالغفار خاں کا فرزند گرامی عبدالولی خاں نیشنل عوامی پارٹی کا سربراہ ہے۔ اسلام اور پاکستان کی بابت اس خانوادے کے عزائم و نظریات پوشیدہ نہیں ہیں۔ ولی خاں کے خلاف (بھٹو دور میں) بغاوت کا مقدمہ بھی قائم ہوا تھا۔ دینی جماعتوں اور علماء کرام کے خلاف ہرزہ سرائی اس کا محبوب مشغلہ ہے۔

گزشتہ انتخابات کے بعد اسکی پارٹی نے "اپنی سیاسی بحالی" کے لئے مسلم لیگ کے ساتھ سمجھوتہ کر کے اسے برسر اقتدار لانے میں تعاون کیا تھا۔ اسکی پارٹی کے چند صوبائی افراد ناراض ہو گئے۔ تو وفاقی حکومت کے مسلم لیگی وزراء ان کی منت سماجت کی خاطر ان کی خدمت میں پشاور حاضر ہوئے تھے۔ اور حال ہی میں ولی خاں بیمار ہوئے تو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سابق وزیر اعظم اور پاکستان مسلم لیگ کے مرکزی صدر جناب نواز شریف صاحب اسی

سرحدی گاندھی کے فرزند جناب ولی خاں کی تیمارداری اور بیمار پرسی کیلئے بنفس نفیس پھولوں کا گلدستہ لے کر فوراً پشاور حاضر ہوئے اور نہایت چاپلوسی کے انداز میں سابق وزیر اعظم کی وہاں جو گفتگو ہوئی اخبارات میں اسکی تفاصیل شائع ہو چکی ہیں۔ یہ اس لئے کہ ولی خاں کے پاس مسلم لیگی رہنماؤں کا اقتدار بچانے کیلئے چند ووٹ موجود تھے۔ اور مولانا ابوذر بخاری سیاسیات حاضرہ سے کنارا کش محض ایک متبحر عالم دین، ایک مصنف ایک سحر بیاں خطیب اور ایک بلند پایہ ادیب و شاعر ہیں۔ ان کے پاس کسی کو مادی فوائد پہنچانے یا کسی کا اقتدار بچانے اور واپس دلانے کے وسائل موجود نہیں ہیں۔ وہ نہایت صبر و استقامت کے ساتھ زندگی کے تلخ ایام بیماری کی حالت میں گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جلد شفاء کاملہ عطا فرمائے۔ آمین۔

اس تذکرے سے میرا مقصود کسی حکمران سے تیمارداری کی بھیک مانگنا ہرگز نہیں بلکہ نیرنگی دوراں کی نشاندہی مقصود ہے کہ جو لوگ کل تک اپنے آپ کو پاکستان کے احد مالک و مختار اور حامی و وفادار سمجھتے تھے اور نیشنل عوامی پارٹی کے لیڈروں کو ملک دشمن، غدار، کانگریس کے تنخواہ دار اور زرخرید غلام گردانتے نہ تھکتے تھے آج اسی مسلم لیگ کے وفاداران ازلی۔۔۔ انہی سرحدی گاندھیوں کی کفش برداری میں فرمسوس کرتے، انکی خدمات ملی کے اعتراف میں رطب اللسان اور (مسلم لیگ کے قرار دیئے ہوئے) غداروں کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہیں۔

ببیں از کہ می بریدی و با کہ پیوستی؟

راقم الحروف ابھی یہ سطور لکھ رہا تھا کہ پاکستان مسلم لیگ کے صدر نواز شریف صاحب پشاور گئے نیشنل عوامی پارٹی کے اشتراک سے جلسہ کیا اور اسمیں ولی خاں اور انکی بیگم صاحبہ کی ملی اور ملکی خدمات کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے سرحد میں مسلم لیگ اور اے این پی کے اتحاد سے آئندہ تحریک چلانے کا اعلان کیا ہے۔

بدلتی دیکھیں وفاداریاں جو وقت کے ساتھ
وفا جہاں کیلئے بھی ایک کاروبار رہی!

مسلم لیگ کا "نواز شریف گروپ" سرحدی گاندھی کی اولاد سے تو الفت کی پینگیں بڑھانے پر آمادہ ہے، وہ ایک سیکولر نظریات کی بھارت نواز پارٹی کے ساتھ متحدہ محاذ قائم کرنے پر کمربستہ ہو سکتا ہے مگر کسی دینی جماعت، کسی مذہبی تنظیم اور اسلامی فکر و نظر کی حامل شخصیات و افراد کے ساتھ تعاون کرنا تو درکنار ان کا وجود برداشت کرنے کو تیار نہیں ہے۔

یہ کیا قیامت ہے باغبانو! کہ جن کی خاطر بہار آئی
وہی شگوفے کھٹک رہے ہیں تمہاری آنکھوں میں خار بن کر!